# اُردو رسم الخط میں تبدیلی اور اصلاح کی تجاویز کا عہد بہ عہد جائزہ

طارق جاوید*
ڈاکٹر مزمل بھٹی**

**Abstract:**

During different periods different researchers have argued in favour or opposition about changing of Urdu script into roman or Devenagri. All these efforts have been discussed comprehensively in the following thesis. Researcher has presented way of historical research in favour and opposition of Urdu script almost one century. Besides pointing out the merits and demerits of Urdu script in comparative linguistic, it has been concluded that Urdu script is the best script.

برصغیر میں مختلف قوموں کے اختلاط سے جونئی زبان اُردو وجود میں آئی اُس کے تحریری اظہار کے لیے مسلمانوں نے خطِ نستعلیق کو پسند فرمایا جب کہ ہندو ذریعہ اظہار کے لیے دیوناگری رسم الخط استعمال کرتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ دونوں رسوم الخط بغیر کسی تعصب کے مشترکہ طور پر رائج تھے جب یورپی تاجر ہندوستان میں ہمیشہ کے لیے قدم جمانے کے امکانات پر غور کرنے لگے تو انہیں رسم الخط پر بھی توجہ دینا پڑی۔ یورپی تاجروں کو ہندوستان کی ثقافت سے روشناس کرانے اور ابتدائی طور پر افراد و مقامات کے نام بہ سہولت یاد کرانے کی غرض سے رومن حروف رائج کرنے کی کوشش کی گئی۔ عبدالقدوس ہاشمی لکھتے ہیں کہ رومن حروف کا استعمال سب سے پہلے اسمائے معرفہ کے لیے کیا گیا۔ تقریباً سو سال بعد جب کافی تعداد میں عیسائی بسا اور بنا لیے گئے تو مقامی خط خصوصاً فارسی رسم الخط ترک کر کے مقامی زبانوں کی عبارتیں بھی رومن حروف میں لکھی جانے لگیں۔(۱) وہ مزید لکھتے ہیں کہ

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو و اقبالیات، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور
** شعبہ اُردو و اقبالیات، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

جیسے جیسے فرانسیسیوں اور انگریزوں کی لوٹ کھسوٹ اور عیسائی مبلغوں کا دائرہ کار بڑھتا گیا، رومن حروف کے استعمال کا حلقہ بھی پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ رومن رسم الخط فوجی قواعد، گھوڑوں کے علاج اور صحتِ عامہ کے بعض رسالوں میں استعمال ہونے لگا۔(۲)

ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں:

> ''اُردو کے لیے رومن خط کا استعمال سب سے پہلے Gilchrist English & Hindustanee Dictionary میں ہوا جسے ہندوستان کے قائم مقام گورنر سر جان میک فرسن کے نام پر معنون کیا گیا تھا۔اس کا پہلا ایڈیشن ۱۷۸۶ء میں اور دوسرا ۱۷۹۸ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔''(۳)

رفتہ رفتہ اُردو کو رومن رسم الخط میں لکھنے کی کوششیں تیز ہوگئیں یہاں تک کہ یہ مطالبات ہونے لگے کہ امورِ مال اور امورِ عدالت میں اُردو کو رومن حروف میں لکھا جائے۔اس کے لیے دلائل بھی پیش ہونے لگے کہ رومن خط آسان ہے، اسے انگریز حکام بھی آسانی سے پڑھ سکتے ہیں لیکن بنیادی خیال یہ تھا کہ اُردو کو عربی اور فارسی سے کاٹ دیا جائے۔ یہ تمام کوششیں سرکاری سطح پر بھی ہونے لگیں، اس کے شواہد پنجاب آرکائیوز کے ریکارڈ سے ملتے ہیں۔ڈاکٹر عطش درانی لکھتے ہیں کہ سیکرٹری محکمہ مال حکومت پنجاب مسٹر جے۔ایم۔ڈونی کا ۱۸ر ستمبر ۱۸۹۴ء کا ایک مراسلہ انسپکٹر جیل پنجاب کے نام ملتا ہے جو شملہ سے لکھا گیا۔اس مراسلے میں جیل کے دفتری ریکارڈ کے لیے استعمال کی گئی رومن اُردو کے بارے میں دریافت کیا گیا۔اس مراسلے کا جواب ۱۴ر نومبر ۱۸۹۴ء کو دیا گیا جس میں کہا گیا کہ رومن اُردو کا طریقہ کامیاب رہا کیوں کہ رومن اُردو کے استعمال سے انگریز افسروں کو پڑتال میں آسانی ہوتی ہے۔(۴)

اُردو کے لیے رومن رسم الخط کی اشاعت میں عیسائی مشینری کا بہت بڑا حصہ ہے۔ان عیسائیوں نے آپس کی خط و کتابت اور تبلیغ کے لیے رومن رسم الخط کو اپنایا۔توریت، انجیل اور زبور کی تعلیمات رومن حروف میں چھپنے لگیں۔ رفتہ رفتہ اُردو کو رومن حروف میں لکھنے کا عمل تیز تر ہو گیا۔ پروفیسر ہارون خاں شروانی لکھتے ہیں کہ اُردو زبان اور اس کے اصلی تلفظ کو سائنٹفک طور پر رومن میں لکھنے کا سہرا سر ولیم گریرسن کے سر ہے۔(۵)

برصغیر میں رومن رسم الخط کو تو کوئی مقبولیت حاصل نہ ہوئی البتہ پورے برصغیر میں ایک رسم الخط والی تحریک زور پکڑ گئی۔ مسلمان خطِ نستعلیق (اُردو رسم الخط) اور ہندو دیوناگری رسم الخط کو پورے برصغیر میں رائج کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔انہیں کوششوں اور سازشوں کے زیر اثر انگریزوں نے خطِ نستعلیق کو ختم کرنے کے لیے ۱۸۳۷ء میں مسلمانوں کی دوسری زبان یعنی اُردو کو رائج کر دیا۔رفتہ رفتہ ہندو اُردو زبان اور رسم الخط کو سخت ناپسند کرنے لگے۔ شروع شروع میں بغاوت اور نفرت کے یہ جذبات ڈھکے چھپے تھے لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد دانستہ طور پر بول چال کی زبان سے فارسی اور عربی الفاظ نکال کر سنسکرت کے الفاظ داخل کیے جانے لگے۔اُردو کی بجائے دیونا

گری رسم الخط کے استعمال پر زور دیا جانے لگا۔ ہندوؤں نے اپنے مطالبات حکومتی سطح پر پیش کرنا شروع کر دیے۔ انہوں نے حکومت کے روبرو درخواستیں گزاریں کہ تمام سرکاری کارروائیاں بجائے عربی رسم الخط کے دیوناگری رسم الخط میں ہونی چاہئیں جس میں سنسکرت لکھی جاتی ہے۔ آخرکار ۱۸۶۷ء کو صوبہ بہار میں اُردو کی بجائے کیتھی رسم الخط استعمال کرنے کی سرکاری اجازت مل گئی۔ صوبہ بہار کی طرح دوسرے صوبوں میں بھی دیوناگری رسم الخط رائج کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ بنگالی زبان ابتداً فارسی عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی لیکن بعد میں یہاں کا ادب ہندوؤں کے زیر اثر آ گیا اور بنگلہ خط سنسکرت میں تبدیل ہو گیا۔ پروفیسر بشیر احمد لکھتے ہیں کہ ۱۷۷۲ء تک دستاویزی ثبوت ملتا ہے کہ مسلمانوں میں عربی رسم الخط میں بنگالی زبان رائج تھی۔ بنگالی زبان کا موجودہ سنسکرتی رسم الخط بالکل نیا ہے۔(۶) رفتہ رفتہ صوبہ یو۔ پی میں بھی اُردو کی بجائے ناگری رسم الخط جاری کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ صوبہ یوپی میں ہندوؤں کی ناگری کے لیے کوششیں دیکھ کر سرسیّد کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ انہوں نے اُردو ڈیفنس سوسائٹی کے ذریعے اس مہم کی زبردست مدافعت کی لیکن حکومت کے معاندانہ مسئلے کی شہ پر یہاں خود اہلِ وطن نے اُردو رسم الخط کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔(۷) رسم الخط کو تبدیل کرنے کی اس مہم میں محکمہ تعلیم بھی پورا حصہ لے رہا تھا۔ ۱۸۷۰ء میں لکھنؤ میں ہونے والے ایک امتحان میں پوچھے گئے سوالات کی نوعیت ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ واضح کرو کہ صوبہ اودھ کی عدالتوں میں اُردو اور اس کے فارسی رسم الخط کا استعمال مفید اور قرین انصاف ہوگا یا ہندی اور اس کے ناگری خط کا؟

۲۔ اُردو اور ہندی کی خوبیاں اور نقائص تفصیل سے بیان کرو نیز فارسی اور دیوناگری رسم الخط کی خوبیاں اور نقائص بیان کرو۔ عوام الناس کے لیے ان ہر دو زبانوں میں سے کس زبان کا استعمال سہولت کا باعث ہے؟

۳۔ اُردو اور ہندی سے کون سی زبانیں مراد ہیں؟ تم کن تصانیف کو اُردو اور کن کو ہندی کہو گے؟ (۸)

سرسیّد احمد خان دیوناگری خط کے لیے ہندوؤں کی تمام کوششوں کا مناسب جواب دیتے رہے۔ ہندو دیوناگری رسم الخط کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار تھے۔ وہ اس معاملے میں بہت سنجیدہ ہو چکے تھے اور کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۹۸ء میں سرسیّد احمد خان کے انتقال کے بعد سر انٹونی میکڈونلڈ کی تائید اور ایما پر دیوناگری کے حامیوں کے ایک وفد نے لیفٹیننٹ گورنر کے سامنے مندرجہ ذیل معروضات پیش کیں:

۱۔ جن وجوہ کی بنا پر بہار اور ممالک متوسط (سی۔ پی) میں ناگری حروف عدالتوں میں جاری کیے گئے ہیں وہی دلائل اضلاع شمال و مغرب و اودھ کے لیے بھی قابلِ تسلیم و قابلِ عمل ہیں۔

۲۔ ان صوبہ جات کے باشندوں کی بھاری تعداد فارسی حروف میں لکھے ہوئے استغاثوں، درخواستوں اور دستاویزات کو پڑھ نہیں سکتی اور جب عدالتوں کے سمن ان حروف میں جاری ہوتے ہیں تو بہت سے لوگ ان کو پڑھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

۳۔ فارسی حروف مثل گورکھ دھندے کے ہیں ان کا پڑھنا مشکل ہے۔شکستہ خط اور الفاظ کے صحیح نہ پڑھے جانے کی بدولت عدالتوں میں تنازعے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

۴۔ ناگری حروف کے متعلق اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ حروف شکستہ کی طرح جلد نہیں لکھے جاتے۔اگر یہ بات فرض بھی کر لی جائے پھر بھی جو وقت خطِ شکستہ کے لکھنے سے بچتا ہے اس کے پڑھنے کی حالت میں پورا ہو جاتا ہے۔جب کہ تھوڑا سا وقت جو ناگری لکھنے میں صرف ہوگا، بعد میں بہ آسانی اور یقینی طور پر پڑھنے سے تلافی ہو جائے گی۔

۵۔ ابتدائی تعلیم کے مسئلہ کو چھیڑتے ہوئے ہندوستان کے مختلف صوبہ جات میں مقابلہ کر کے بتایا کہ جن اضلاع میں اُردو رسم الخط رائج تھا وہاں ابتدائی تعلیم میں شرح خواندگی کم رہی۔

ان اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے رشید احمد سالم لکھتے ہیں:

۱۔ خود ہز آنر (مشہور اردو دشمن لیفٹیننٹ گورنر یوپی سر انٹونی میکڈونلڈ) نے اس کے جواب میں فرمایا کہ صوبہ جات متحدہ میں آپ کی تجاویز کو نافذ کرنے میں بہت دقت پیش آئے گی۔

۲۔ اگر عربی اور فارسی کے قانونی الفاظ ناگری حروف میں لکھے جائیں گے تو ان حروف کے لیے جو سمیٹک زبانوں سے مخصوص ہیں۔مثلاً ذ،ص،ض،ط،ظ،ع،غ،ق وغیرہ نئے حروف ناگری ایجاد کرنے پڑیں گے۔

۳۔ دستاویزوں اور سمنوں کے پڑھنے کے لیے پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے خواہ یہ کاغذات فارسی حروف میں ہوں یا ناگری حروف میں۔ **(۹)**

مسلمانوں کی طرف سے ہر قسم کے ردِ عمل کے باوجود لیفٹیننٹ گورنر انٹونی میکڈونلڈ نے ۱۸/اپریل ۱۹۰۰ء کو ہندوؤں کے مطالبات تسلیم کرتے ہوئے ہندی اور ناگری کو عدالتوں میں رائج کر دیا۔ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ اس دوران نواب محسن الملک مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔انہوں نے رسم الخط کے مسئلے سے متعلق ایک خط کے ذریعے گورنر میکڈونلڈ سے تبادلہ خیال کی اجازت چاہی۔میکڈونلڈ نے اسے ناپسند کیا اور ملاقات کی اجازت نہ دی۔اس کے باوجود ڈیفنس ایسوسی ایشن نے ۱۸/اگست ۱۹۰۰ء کو لکھنؤ میں ایک عظیم الشان جلسے کا انعقاد کیا۔اس جلسے کی خبریں جب میکڈونلڈ تک پہنچیں تو وہ سخت ناراض ہوا اور خود علی گڑھ جا کر ۲۲/اگست ۱۹۰۰ء میں علی گڑھ مسلم کالج کے ٹرسٹیوں کا اجلاس طلب کیا جس میں اُردو ڈیفنس کے خلاف خوب زہر اگلا اور دوبارہ ایسا کرنے پر کالج کی گرانٹ بند کرنے کی دھمکی دی۔نواب محسن الملک اُردو ڈیفنس کے عہدے سے مستعفی ہو گئے لیکن میکڈونلڈ نے ہندی اور ناگری کے سلسلے میں جو حکم جاری کیا تھا اسے واپس نہ لیا۔ **(۱۰)**

ہندوؤں کی سازش اور انگریزوں کے تعصب کی وجہ سے بنگال، بہار، سی۔پی اور یو۔پی میں ناگری خط استعمال ہونے لگا۔صرف پنجاب اور سندھ دو ایسے صوبے تھے جہاں ناگری رسم الخط کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ۱۹۰۳ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اپنی ایک اور شاخ ''شعبہ علمیہ'' کے نام سے قائم کی اور مقصد کی صراحت کے لیے اس کا نام ''انجمن ترقی اُردو'' رکھا اس انجمن نے زبان اور رسم الخط کے حوالے سے ہندوؤں کو خوب تابڑ توڑ

جواب دیے۔(۱۱)

۱۹۰۵ء میں کلکتہ ہائی کورٹ کے جسٹس سارداچرن نے کلکتہ یونی ورسٹی میں ایک مضمون پڑھا جس میں انہوں نے تجویز پیش کی کہ تمام ملک میں ایک رسم الخط رائج ہو۔اس سلسلے میں جسٹس صاحب نے دیوناگری رسم الخط کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ ناگری حروف میں یہ خوبی ہے کہ اس میں تمام زبانیں آسانی سے لکھی جاسکتی ہیں۔(۱۲) جج صاحب کے بیان کے بعد پریزی ڈینسی کالج کے پرنسپل نے جسٹس صاحب کے نظریے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ دیوناگری تو بنگلہ حروف سے بھی زیادہ دیر میں لکھی جاتی ہے۔دیوناگری حروف کی بجائے رومن حروف کو پورے ہندوستان میں ایک رسم الخط کے طور پر اختیار کیا جائے کیوں کہ اس کا لکھنا اور پڑھنا نہایت آسان ہے۔(۱۳)

۲۹ر دسمبر ۱۹۰۵ء میں کانگرس کے قیام کے بعد بنارس میں وہاں کی ناگری پرچارنی سبھا کی طرف سے ہند میں ایک رسم الخط کے لیے خاص جلسہ ہوا۔مسٹر رلیش چندروت سی آئی اے دیوان بڑودہ اس کے صدر تھے۔بال مکند گپتا لکھتے ہیں کہ اس جلسے میں صدر صاحب اور مسٹر تلک نے کہا کہ پچاس سال قبل جرمنی کی سب کتابیں جرمن حروف میں چھپتی تھیں لیکن اب رومن حروف میں طبع ہونے لگی ہیں۔اس سے اُن کو کچھ مشکل واقع نہیں ہوئی۔ہم کو بھی اہلِ جرمن کی تقلید واجب ہے۔اہل ہند کی تمام زبانوں کا رسم الخط ''دیوناگری'' ہونا چاہیے۔(۱۴)

اُردو اور دیوناگری رسم الخط کی حمایت اور مخالفت کا ایک نیا باب کھل گیا۔دونوں طرف سے ایک دوسرے کے رسم الخط پر خوب نقطہ چینی ہونے لگی۔جب ہندوؤں نے مسلمانوں کے تہذیبی ورثوں پر یوں کھلے عام کیچڑ اچھالنا شروع کیا تو مسلمانوں کے اندر اپنے حقوق کی نگہداشت کا احساس بیدار ہوا۔چناں چہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ کو ڈھاکہ میں ہونے والی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں مسلمانوں کی پہلی سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔اس جماعت نے زبان و ثقافت کے حوالے سے مسلمانوں کے حقوق کے لیے خوب جنگ لڑی۔بال مکند گپتا لکھتے ہیں کہ پورے ہندوستان کے لیے ایک رسم الخط اپنانے کی تحریک آہستہ آہستہ زور پکڑتی گئی اور بعض ماہرین نے رومن رسم الخط اپنانے کی بھرپور تائید کی اور اس معاملے میں یہ دلیل پیش کی کہ رومن خط اختیار کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ ایشیا اور یورپ میں ایک رسم الخط ہو جائے گا جس سے ترقی کی رفتار میں اضافہ ہوگا۔(۱۵) ''زمانہ'' میں گپتا مزید لکھتے ہیں کہ ۱۹۰۷ء میں کلکتہ میں ایک انجمن قائم ہوئی جس کا نام ایک لپی دستار پریشد رکھا گیا۔اس انجمن سے ''دیوناگری'' نام کا ایک ماہوار رسالہ نکلنا شروع ہوا جس میں ہندی، بنگالی، مرہٹی، گجراتی، اُردو، اُڑیہ اور تامل وغیرہ کتنی ہی زبانوں کے مضامین لکھتے مگران کے حروف دیوناگری ہی ہوتے۔(۱۶) اس رسالے کے ذریعے اس انجمن نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ دیوناگری رسم الخط ہی ایسا رسم الخط ہے جو ہندوستان کی تمام زبانوں کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

۱۹۱۲ میں ''زمانہ'' میں ادارے نے ایک مضمون شائع کیا۔ اس مضمون میں واشگاف انداز میں لکھا گیا کہ بعض علماء کچھ عرصے سے اس کوشش میں منہمک ہیں کہ ہندوستانی (اُردو) کا عام رسم الخط رومن کر دیا جائے لیکن بین دلیلوں سے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ رومن خط ہندوستانی اصوات کو خوب صورتی اور صفائی سے ہرگز نہیں ادا کر سکتا (۱۷)۔ ۱۹۱۲ء میں بابائے اُردو مولوی عبدالحق انجمن ترقی اُردو کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ عبدالحق انجمن میں آنے کے بعد ساری زندگی اُردو زبان و رسم الخط کی حمایت میں جنگ لڑتے رہے۔ دسمبر ۱۹۱۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے دسویں سالانہ اجلاس میں قرارداد منظور کی گئی کہ اُردو اور اس کے رسم الخط کو اُن صوبوں کی عدالتوں اور سرکاری دفاتر میں جہاں وہ رائج ہیں برقرار رہنا چاہیے۔

اگست ۱۹۲۰ء میں ماہنامہ ''زمانہ'' کانپور میں گاندھی کا ''اظہارِ رسم الخط'' کے عنوان سے چھوٹا سا مضمون شائع ہوا جس میں واضح کیا گیا تھا کہ مہاتما گاندھی قومی ترقی کے لیے ہندوستان بھر میں ایک رسم الخط کے حامی ہیں۔ وہ ہندی، اُردو دونوں کو ایک ہی زبان سمجھتے ہیں اور ان کے لیے ایک مشترک نام ''ہندوستانی'' استعمال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دونوں زبانوں میں صرف رسم الخط کا فرق ہے۔ ادارہ لکھتا ہے کہ گاندھی اُردو رسم الخط کے مخالف نہیں لیکن وہ چاہتے ہیں کہ مسلم احباب بھی مشترکہ قومیت کے خیال سے تھوڑی سے تکلیف گوارا کر کے ناگری رسم الخط سیکھ لیں۔ (۱۸) دراصل گاندھی جی کے پیشِ نظر یہ بات تھی کہ کچھ دنوں بعد خود بخود ناگری رسم الخط کو مقبولیت حاصل ہو جائے گی۔ ۱۹۲۶ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا انتالیس واں سالانہ اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں قرارداد منظور کی گئی کہ جن صوبوں میں مسلمان اُردو نہیں بولتے وہاں کے نصاب میں بھی اُردو رسم الخط جاری کیا جائے۔

رفتہ رفتہ رسم الخط کا جھگڑا شدت اختیار کرتا گیا۔ ان حالات میں بعض لوگوں نے ایسے مضامین بھی لکھے جن سے جذبات کی شدت میں کمی واقع ہوئی۔ ایسا ہی ایک مضمون ۱۹۲۸ء میں خواجہ حسن نظامی نے لکھا جو ''زمانہ'' میں شائع ہوا۔ خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں کہ اُردو اور ہندی بلحاظ بول چال کے دونوں ایک ہی ہیں۔ البتہ رسم الخط کا کچھ فرق ہے مگر اس کے لیے ہندو مسلمانوں کا آپس میں جھگڑنا نامناسب ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''مسلمانوں کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ ہندی رسم الخط ہندوستان کا ہے جو ہمارا موجودہ وطن ہے اس واسطے ہمیں بھی اس رسم الخط کی ترقی اور حفاظت میں حصہ لینا چاہیے۔ ہندو بھائیوں کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ اُردو زبان سنسکرت اور برج بھاشا سے نکلی ہے لہٰذا اُردو کی ترقی وحفاظت بھی ایک لحاظ سے ہندی برج بھاشا کی ترقی وحفاظت ہے۔ رہا اُردو کا رسم الخط سو یہ ہندوؤں کو اجنبی اور غیر نہ سمجھنا چاہیے کیوں کہ اُردو کا رسم الخط اگرچہ عربی وفارسی سے نکلا ہے تاہم ایشیائی رسم الخط ہونے کے اعتبار سے ہندوستان کے ہندوؤں کا حریف نہیں ہوسکتا''(۱۹)

اس قسم کے مضمون بھی اُردو ہندی تنازعے کی شدت کو کم نہ کر سکے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُردو اور ناگری خط کی حمایت اور مخالفت میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ ۱۹۳۰ء کو اُردو رسم الخط میں مولوی عبدالحق کا ایک مضمون بعنوان ''رسم الخط'' شائع ہوا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اُردو رسم الخط کو ناگری حروف میں لکھنے کے نعرے تو بلند ہو رہے ہیں لیکن قبل اس کے کہ کسی زبان کے رسم الخط میں تغیر کیا جائے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا اس تبدیلی سے زبان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں یا نہیں؟ اگر رسم الخط کی تبدیلی سے زبان کی ضرورتیں نہ پوری ہو سکتی ہوں تو ایسی تبدیلی سخت مصیبت انگیز ہوگی۔ رسم الخط کی تبدیلی کے معنی زبان اور تمدن کی تبدیلی ہوگی۔ لہٰذا قبل اس کے کہ ہم اُردو رسم الخط کی تبدیلی کا خیال کریں اس امر پر غور کرنے کی شدید ضرورت ہے کہ آیا اس تبدیلی سے ہماری ضروریات پورے طور پر رفع ہو سکیں گی یا نہیں؟ محض وقت یا آسانی کی بنا پر ہم طرزِ تحریر کی تبدیلی کو گوارا نہیں کر سکتے۔ (۲۰)

مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ ہندو کبھی بھی ان کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے اور گاندھی بھی ظاہری طور پر اُردو ہندی اتحاد کے حامی ہیں چنانچہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں خطبہ الٰہ آباد میں دو قومی نظریہ پیش کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن کے مطالبے پر زور دیا۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں کہ کانگرس کے رہنماؤں کو رسم الخط سے زیادہ دو قومی نظریے سے خوف آنے لگا تھا چنانچہ گاندھی نے مسلمانوں کو مشترکہ قومیت کے فریب سے زیر کرنے کی کوشش کی لیکن اب مسلمان ان کی چالوں سے باخبر ہو چکے تھے (۲۱)۔ ۱۹۳۳ء میں دہلی میں آل انڈیا ہندی سمیلن کا اجلاس ہوا جس کے لیے مہاراجہ بڑودہ نے ایک تقریر لکھ کر ارسال فرمائی انہوں نے لکھا:

''اعلیٰ درجے کی حب الوطنی اور قوم پرستی دونوں کا یہی تقاضا ہے کہ ہندوستان میں صرف ایک قومی زبان ہو، ایک مشترکہ رسم الخط ہو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس وسیع ملک میں مشترکہ رسم الخط جاری نہیں ہو سکتا لیکن آج چین میں اس کی آبادی چالیس کروڑ ہے۔ ایک مشترکہ رسم الخط جاری ہے۔ اگر چین اپنے خانگی تنازعات اور اندرونی بدامنی کے باوجود ایک زبان اور ایک رسم الخط جاری کر سکتا ہے تو ہندوستان کے لیے یہ کس طرح ناممکن ہے؟'' (۲۲)

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ دیوناگری رسم الخط کی یہ خوبی ہے کہ اس میں ہندوستان کی تمام زبانوں کی اصوات ادا ہو سکتی ہیں۔ ان کی اس رائے پر سمیلن نے ناگری خط کے حق میں ریزولیشن پاس کیا اور ضمنی طور پر صوبہ دہلی کی عدالتوں میں ناگری حروف کے ترویج کی سفارش کی۔

۱۹۳۷ء میں بشیر ناتھ کا ایک مضمون بعنوان ''ہندی اردو کا قضیہ'' رسالہ ''اُردو'' میں شائع ہوا۔ اس میں انہوں نے کہا کہ ٹیگور، شرت چندر اور بابو راماند چٹرجی رومن رسم الخط کو پسند کرتے ہیں۔ ٹیگور کا استدلال یہ ہے کہ رومن خط اپنانے سے خانہ جنگی کے امکان ختم ہو جائیں گے۔ (۲۳) اس سلسلے میں ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں:

''ٹیگور نے ہندی اور اُردو دونوں کے لیے رومن خط اختیار کرنے کا مشورہ دیا لیکن

جیسا کہ ان کے استدلال سے ظاہر ہے، ان کے پاس رومن اختیار کرنے کی کوئی علمی وجہ نہیں بلکہ وہ رومن رسم الخط کے ذریعے ''خانہ جنگی'' کے امکان کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ یہ استدلال ان کے سیاسی اہمیت کے حامل نظریہ امن سے پیدا ہوا ہے''۔ (۲۴)

۱۹۳۸ء میں کانگرس کے صدر سبھاش چندر بوس نے ہندی اور اردو دونوں کے لیے رومن رسم الخط اختیار کرنے کی تجویز پیش کی۔ (۲۵) ڈاکٹر طارق عزیز کے نزدیک سبھاش چندر بوس کی تجویز بھی سیاسی محرکات کا نتیجہ تھی۔ تاہم اس میں کچھ علمی فوائد بھی تھے (۲۶)۔ جنوری ۱۹۳۹ء میں عبدالقدوس ہاشمی کا ایک مضمون رسالہ ''اردو'' میں بعنوان ''ہمارا رسمِ خط'' شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے نہایت مدلل اور سائنٹی فک انداز میں ثابت کیا کہ اردو رسم الخط دیوناگری اور رومن رسم الخط سے کہیں زیادہ مفید اور بہتر ہے۔ (۲۷)

۵ر نومبر ۱۹۴۱ء کو لکھنؤ یونی ورسٹی کی فیکلٹی آف سائنس نے ذریعہ تعلیم و امتحانات اور سائنسی اصطلاحات پر غور کرنے کے لیے ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی جس کے دو اجلاس بالترتیب ۲ر فروری ۱۹۴۲ء اور ۳ر فروری ۱۹۴۲ء کو منعقد ہوئے۔ طارق عزیز انتہائی محنت اور کوشش سے ان اجلاسوں کی (غیر مطبوعہ) کارروائی کی نقل حاصل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''ذیلی کمیٹی نے دیگر امور کا جائزہ لینے کے علاوہ زبان اور رسم الخط کے مسئلے پر بھی غور کیا اور سفارش کی کہ ہندوستانی (اُردو) کو ذریعہ تعلیم کے طور پر اختیار کیا جائے اور اس کے لیے رومن رسم الخط اپنایا جائے۔ (۲۸)

۱۹۴۳ء میں سجاد مرزا نے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں ٹائپ اور طباعت کی سہولت کے پیشِ نظر رومن رسم الخط اپنانے کی تجویز پیش کی۔ ۱۹۴۴ء میں حیات اللہ انصاری نے پورے ہندوستان میں ایک رسم الخط کے پیشِ نظر رومن رسم الخط کی حمایت کی (۲۹)۔ جولائی ۱۹۴۴ء کو حیدر آباد دکن میں پہلی اُردو کانفرنس منعقد ہوئی جس میں رومن رسم الخط اختیار کرنے کی تحریک پیش کی گئی۔ قاضی عبدالغفار اور ڈاکٹر ہاشم امیر علی نے رومن حروف کی حمایت میں پُر زور تقاریر کیں جب کہ پروفیسر ہارون خاں شروانی نے بھرپور انداز میں تحریک کی مخالفت کی۔ ۱۹۴۸ء میں پروفیسر مسعود حسن رضوی نے اپنی تصنیف ''اُردو زبان اور اس کا رسم الخط'' میں اُردو کے لیے دیوناگری یا رومن رسم الخط کو مدلل بحث کے ساتھ رد کیا۔ (۳۰) زرعی کالج جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے پرنسپل ڈاکٹر ہاشم امیر علی نے ۲۹ر اکتوبر، ۱۹۴۸ء کو وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کے نام ایک خط لکھا جس میں جامعہ عثمانیہ میں رومن رسم الخط رائج کرنے کی سفارش کی۔

قیامِ پاکستان کے بعد پروفیسر ہارون خاں شروانی کے نظریات تبدیل ہو گئے۔ پہلے شروانی صاحب رومن رسم الخط کے مخالف تھے پھر اس کے علمبرداروں میں شمار ہونے لگے۔ شروانی رومن رسم الخط کو ٹائپ اور طبعات کی سہولتوں کے پیشِ نظر بنیادی تعلیم کے لیے ایک مثالی خط شمار کرنے لگے اور اس کی تحسین و ستائش میں ۱۹۴۹ء میں

ایک کتابچہ شائع کیا(۳۱)۔ ۲۷رجنوری ۱۹۵۳ءکو ڈاکٹر ہاشم امیر علی نے ثانوی تعلیمی کمیشن برائے ہندوستان کو ایک یادداشت ارسال کی جس میں تعلیمی دشواریوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے رومن رسم الخط اختیار کرنے کی سفارش کی گئی۔ ۱۹۵۰ء میں شان الحق حقی نے اپنے مضمون ''رسم الخط کی اُلجھن'' میں بعض علمی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے رومن خط اپنانے کی حمایت کی۔(۳۲) قیامِ پاکستان کے بعد اُردو کو رومن رسم الخط میں ڈھالنے کا مسئلہ اس وقت اور شدت اختیار کر گیا جب سابق صدر محمد ایوب خاں نے پاکستان کی تمام زبانوں کے لیے رومن رسم الخط کی تجویز پیش کی۔ یہ تجویز ۳۱ردسمبر ۱۹۵۸ءکو کابینہ کے اجلاس میں پیش کی گئی۔(۳۳) صدر ایوب خاں نے رسم الخط کے تعین کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا اور پھر اس کمیشن کے مشورے سے مزید تین کمیٹیاں قائم کیں۔صدر محمد ایوب کے اس اقدام سے رومن رسم الخط کی حمایت اور مخالفت کا ایک نیا باب وا ہو گیا۔حمایت کرنے والے ادیبوں میں، ن۔م، راشد اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر کا نام نمایاں ہے۔ن۔م راشد نے حلقہ اربابِ ذوق کی سولھویں سالگرہ کے موقع پر اپنے خطبہ صدارت میں رومن رسم الخط کے فوائد بیان کیے۔ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے ٹائپ اور طباعت کی سہولتوں کو جواز بنا کر رومن رسم الخط کی پُر زور حمایت کی(۳۴)۔ ۲۲رمارچ ۱۹۶۱ءکو سینٹ ہال لاہور میں رومن رسم الخط کے موضوع پر ایک مذاکرہ منعقد ہوا جس میں مختلف آراء سامنے آئیں۔اس مذاکرے میں پیش کیے جانے والے مضامین ''نصرت'' اور ''قومی زبان'' میں شائع ہوئے۔ ۱۹۶۱ءکو دہلی میں وزراء کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں کہا گیا کہ اگر تمام ہندوستانی زبانوں کے لیے دیوناگری رسم الخط استعمال کیا جائے تو بہتر ہے۔اس کے جواب میں رسالہ ''ہماری زبان'' نے اپنے اداریے میں لکھا:

> ''دیوناگری رسم الخط کے متعلق یہ دعویٰ غلط ہوگا کہ وہ تمام حیثیتوں سے دوسرے خطوں سے بہتر ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ دیوناگری حروف میں صوتی مناسبت کا خیال رکھا گیا ہے اور اس لحاظ سے اس کے سیکھنے میں آسانی ہوتی ہے مگر موجودہ دور میں جگہ اور وقت کی کفالت کا سوال بھی اہم ہے، پھر بہت سی آوازیں ایسی ہیں جن کو دیوناگری رسم الخط ادا نہیں کرسکتا۔''(۳۵)

ہم اُلٹے بات اُلٹی کے زیرعنوان ''قومی زبان'' میں سیّد وقار عظیم کا وقیع اداریہ شائع ہوا۔انہوں نے اس اداریے میں لکھا کہ ترکی قوم نے اپنا رسم الخط ترک کر کے رومن رسم الخط اختیار کیا لیکن وہ اب بھی تعلیمی لحاظ سے مشکل اور ذاتی رسم الخط اپنائے رہنے والے چین و جاپان سے پیچھے ہیں۔محض دشواریوں کی آڑ لے کر اُردو رسم الخط تبدیل کرنے سے ہمارا تہذیبی و ثقافتی ورثہ، ہمارا وسیع ادب بے کار ہو جائے گا(۳۶)۔ ۱۹۶۲ء میں محمد طاہر فاروقی نے ''ہمارا رسم الخط'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں پروفیسر مسعود حسن رضوی کی مثالیں اور الفاظ استعمال کرتے ہوئے رومن رسم الخط کی مخالفت کی(۳۷)۔ ۱۹۶۵ء میں سیّد قدرت نقوی اپنے مضمون ''اُردو رسم الخط'' میں اُردو رسم الخط کی حمایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رومن میں املا کی دشواری اُردو سے کہیں زیادہ ہے۔ٹائپ اور طباعت میں

بھی دونوں رسوم الخط کو یکساں مشکلات کا سامنا ہے۔ اگر اُردو میں مقطع اشکال کی پریشانیاں ہیں تو رومن میں چھوٹے بڑے حروف کا جھگڑا ہے۔(۳۸)حکیم چند نیر نے نہایت باریک بینی سے اُردو اور رومن رسم الخط کا تجزیہ کرتے ہوئے اُردو رسم الخط کو مفید اور بہتر قرار دیا۔ ۱۹۶۶ء میں ''نیا دور'' نے دانشوروں کو رسم الخط کے مسئلے پر دعوتِ فکر دی۔ اس دعوتِ فکر کے جواب میں ن۔م۔راشد نے رومن رسم الخط کی حمایت کی جب کہ محمد حسن عسکری، شمیم احمد، سلیم احمد، سیّد امجد الطاف اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے اُردو رسم الخط کی بھرپور حمایت کی۔ ۱۹۶۸ء میں غلام رسول نے رومن رسم الخط کے بے شمار نقائص بیان کرتے ہوئے اسے رد کیا(۳۹)۔ ۱۹۶۹ء میں آچاریہ ونو بھاوے نہ پٹنہ میں کہا کہ اُردو ہندوستان میں فروغ پا سکتی ہے اور قومی زندگی میں ایک اہم رول ادا کرسکتی ہے بشرطیکہ ناگری خط میں لکھی جائے۔ ونو بھاوے کے اس بیان پر اخبار ''ہماری زبان'' نے شدید ردِ عمل کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ ۱۹ستمبر ۱۹۸۰ء میں روزنامہ ''جسارت'' میں خبر شائع ہوئی کہ گزشتہ ماہ چندی گڑھ بھارت میں کل ہندی اُردو کانفرنس'' کے موقع پر وزیر اطلاعات ساٹھے نے اُردو بولنے والوں کو دیوناگری خط اپنانے کا مشورہ دیا تو کانفرنس کے شرکاء نے سخت مخالفت کی۔(۴۰) ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے نہایت عمیق نظری سے علمی، عملی اور فنی سطح پر اُردو اور رومن رسم الخط کے نقائص اور دشواریوں کا جائزہ لیتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا کہ اظہار زبان کے لیے رومن یا دیوناگری کی بجائے اُردو رسم الخط ہی زیادہ سودمند ہے۔(۴۱)

اُردو کے لیے رومن رسم الخط اختیار کرنے کے سلسلے میں بہت سی سکیمیں بھی پیش کی گئیں۔ سب سے پہلے جس مطبوعہ کتاب میں اُردو کے لیے رومن خط کی سکیم پیش کی گئی وہ گلکرسٹ انگلش اینڈ ہندوستانی ڈکشنری تھی جس کا پہلا ایڈیشن ۱۷۸۲ء اور دوسرا ۱۷۹۸ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ اس میں اُردو تلفظ کے لیے جو رومن حروف مقرر کیے گئے وہ درج ذیل ہیں:

**حروفِ علت**

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| | ee(ای) | i(زیر) | oo(او) | U(زبر) |
| **حروفِ صحیح** | | | | |
| d(ڈ) | gh(غ) | g'h(گھ) | H(ح،ہ) | Kh(خ) |
| r (ڑ) | s(س،ص) | t(ت) | ch(چ) | r(ر) |
| | t(ٹ) | k'h(کھ) | n(ن غنہ) | q(ق) |

سو برس تک اُردو کو رومن میں لکھنے کے یہی اصول رہے۔ اگر تبدیلیاں ہوئیں بھی تو وہ فروعی تھیں۔ دوسری اہم سکیم گریرسن کی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ہندوستان کا لسانیاتی جائزہ کی جلد نمبر ۹ کے حصہ اوّل میں اُردو، ہندی اور ہندوستانی کے صحیح تلفظ کو رومن حروف سے ظاہر کیا ہے۔ اس سکیم پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر ہارون خان

شروانی لکھتے ہیں کہ رومن حروف کے اُوپر اور نیچے نقطے لگا کر یا لکیر کھینچ کر اور کہیں دو حروف کو ایک دوسرے کے ساتھ مدغم کر کے ایک مکمل رسم الخط بنایا ہے۔ اپنی باریکیوں کی بنا پر علمی اعتبار سے یہ خط مکمل ہو تو ہو لیکن لکھنے یا چھاپنے میں پیچیدگی کے باعث اس سے استفادہ سہولت کا باعث نہیں (۴۲)۔ ۱۹۱۲ء میں ایتھنز میں منعقدہ مشترقین کی بین الاقوامی کانفرنس کے موقع پر ایک سکیم منظور کی گئی جس کا مقصد اُردو اور ہندی میں ٹائپ رائٹر کے مسئلے سے نبرد آزما ہونا تھا۔ اس کے بعد بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں انٹرنیشنل فونیٹک ایسوسی ایشن برائے ہندوستانی نے ہندوستانی (اُردو) کے لیے رومن حروف وضع کیے۔ اس سکیم پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ اس نظام میں بعض حروف کی شکلیں مروجہ رومن خط سے اس قدر مختلف ہیں کہ ان کا اختیار کرنا آسانیوں کی بجائے مزید دشواریوں کا باعث ہوگا (۴۳)۔ جنوری ۱۹۳۶ء میں رسالہ ''زمانہ'' میں مرزا عظیم بیگ چغتائی نے ایک سکیم پیش کی جس کا نام انہوں نے شاہِ دکن کے نام نامی پر ''عثمانی حروفِ تہجی'' رکھا۔ اس سکیم میں رومن حروف بدلی ہوئی شکل میں استعمال ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کی نئی صورتوں کو یاد رکھنا ایک دشوار کام ہے۔ ۱۹۳۹ء میں سجاد مرزا نے رومن رسم الخط کے لیے ایک نئی سکیم تجویز کی۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، مولوی محمد نعیم الرحمان اور پنڈت برج موہن وتاتریہ کیفی نے سکیم کے بیشتر حصّوں سے اتفاق کیا لیکن بعض جگہوں پر اختلافِ رائے بھی ظاہر کیا۔ ۱۹۴۹ء میں پروفیسر ہارون خاں شروانی نے ایک کتابچے (Some Points) میں اُردو کی آوازوں کو رومن رسم الخط میں متعین کرنے کے لیے ایک سکیم پیش کی۔ ۱۹۶۱ء میں شان الحق حقی نے ''رومن اُردو کے اصول املا'' کے عنوان سے ایک رپورٹ اُردو ترقیاتی بورڈ کے ملاحظہ کے لیے تیار کی جو بعد میں ''اُردو الفاظ کی رومن املا'' کے عنوان سے رسالہ ''اُردو نامہ'' شمارہ نمبر ۴، بابت اپریل ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔ شان الحق حقی کی یہ سکیم مجموعی طور پر ۶۵ حروف وعلامات پر مشتمل ہے۔ اس سکیم کے لیے بیان کیے گئے اُصولوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اسی کثرت کی بناء پر اس سکیم پر بہت سے اعتراض وارد ہوئے۔ عبدالستار صدیقی نے اپنے مضمون ''اُردو الفاظ کی رومن املا'' میں شان الحق حقی کی مجوزہ سکیم کو کئی حوالوں سے رَد کیا۔ ڈاکٹر گیان چند نے عبدالستار صدیقی کی رائے پر تنقید کرتے ہوئے ایک نئی سکیم صوتیاتی ترتیب کے مطابق تجویز کی۔ پروفیسر ہارون خاں شیروانی نے ڈاکٹر گیان چند کی سکیم کو منطقی اعتبار سے بہتر قرار دیا۔ البتہ چند معمولی نوعیت کی تبدیلیوں کا مشورہ بھی دیا۔ (۴۴) گیان چند کے علاوہ محمد عبدالرحمٰن پارکر نے بھی اُردو کے لیے ایک صوتی رومن رسم الخط تیار کیا۔ ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے اُردو رومن رسم الخط کے لیے ایک تجویز پیش کی۔ تعدادِ حروف کے لحاظ سے یہ سکیم مجوزہ تمام سکیموں میں بہتر ہے۔ ان تمام سکیموں کا جائزہ بتاتا ہے کہ اُردو کی آوازوں کو صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے ایک بالکل نیا اور عجیب وغریب رومن سکرپٹ وضع کرنا پڑتا ہے۔ اس قدر تصرف کی بناء پر رومن رسم الخط کبھی بھی اُردو رسم الخط کی جگہ نہ لے سکا۔

اُردو کے لیے رومن رسم الخط اختیار کرنے کا مشورہ دینے والے اہلِ علم اپنے موقف کی حمایت میں جو

دلائل پیش کرتے رہے اُن میں سے بعض مبنی بر حقیقت ہیں جب کہ بہت سے دلائل سطحی ،فضول اور بے بنیاد ہیں۔وہ تمام ماہرین جنھوں نے رومن یا دیوناگری رسم الخط کی حمایت ان کے نزدیک اُردو رسم الخط مندرجہ ذیل خامیوں کا شکار ہے۔

### اُردو رسم الخط کی خامیاں:

☆ اُردو میں ہم صوت حروف مثلاً ا اور ع، ت اور ط، ح اور ہ، ث، س اور ص، ذ، ز، ض اور ظ وغیرہ پریشانی کا سبب بنتے ہیں۔مثلاً لفظ طیارہ لکھتے وقت لکھاری پریشان ہو جاتا ہے کہ وہ اِسے ط سے لکھے یا ت سے۔

☆ اُردو رسم الخط میں عام طور پر اعراب لکھنے میں نہیں آتے اس لیے الفاظ کے تلفظ میں سخت مشکل پیش آتی ہے۔اس کے برعکس رومن رسم الخط میں اعراب حروف کے ساتھ ساتھ شامل رہتے ہیں۔جس کی وجہ سے تلفظ میں دشواری پیش نہیں آتی۔

☆ اُردو رسم الخط میں حروفِ شمسی وقمری (ال والے) اور واؤ معدولہ ایسی چیزیں ہیں جو پریشانی کا سبب بنتی ہیں۔

☆ تحریر کے دوران اُردو کے حروف کئی کئی شکلیں بدلتے ہیں،کبھی پورے لکھے جاتے ہیں کبھی آدھے اور کبھی صرف ان کا چہرہ بنا دیا جاتا ہے۔یہ تبدیلی تعلم کے عمل میں دِقت کا باعث بنتی ہے۔

☆ اُردو رسم الخط علم الصوات کے اُصول پر پورا نہیں اُترتا۔

☆ اُردو رسم الخط میں نقطوں کی بھرمار ہوتی ہے۔

☆ اُردو رسم الخط میں غیر ضروری ساقط حروف آجاتے ہیں،مثلاً خواہش اور خواجہ وغیرہ

☆ اُردو رسم الخط اپنے گھسیٹ انداز کی وجہ سے مشکل سے پڑھا جاتا ہے۔

پانچویں،ساتویں اور آٹھویں نمبر پر بیان کی گئی خامیاں ایسی خامیاں ہیں جن سے دُنیا کا کوئی رسم الخط بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔اگر غور سے دیکھیں تو باقی خامیاں بھی بڑی سطحی ہیں۔پھر یہ کہ اُردو اسم الخط کی خامیوں کی نسبت خوبیاں زیادہ ہیں۔

### اُردو رسم الخط کی خوبیاں:

☆ اُردو میں کل باون حروف ہیں اور چونکہ حروف آوازوں کی مختصر تحریری علامات ہوتے ہیں۔اس لیے اس تعداد سے بخوبی پتہ چل سکتا ہے کہ اس زبان میں ہر قسم کی آواز ادا کرنے کے لیے کس قدر وسعت موجود ہے۔

☆ اُردو رسم الخط میں ہندی، فارسی اور عربی کی تمام مخصوص آوازیں صحیح طور پر ادا ہو سکتی ہیں۔اس کے برعکس دیوناگری اور رومن رسم الخط بہت سی آوازیں ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

☆ اُردو رسم الخط کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اِس میں نو حروف ب، ح، د، ر، س، ص، ط، ع اور ف ایک، دو یا تین نقطوں کی کمی بیشی کی بدولت مختلف شکلیں اختیار کر لیتے ہیں۔

☆ اُردو زبان کے حروفِ ہجائیہ بڑی صحت کے ساتھ آوازوں کی ترجمانی اور نمائندگی کرتے ہیں۔کسی قسم کا ابہام یا دِقت

پیدا نہیں ہوتی۔ جب کہ دوسری زبانوں کے حروفِ تہجی اِس خوبی سے محروم ہیں۔

☆ اُردو رسم الخط میں درج ذیل حروف ب، پ، ت، ٹ، ج، چ، د، ڈ، ر، ڑ، ک، گ، ل، م، ن کو ہائے مخلوط کے ساتھ مرکب بنا کر انتہائی اختصار کے ساتھ پندرہ مختلف آوازوں کا کام نکالا گیا ہے۔ جب کہ دیوناگری میں ان کے لیے نئے حروف ہیں، دیگر زبانوں میں مختلف حروف ملا کر ان آوازوں کو ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

☆ اُردو رسم الخط میں تمام زبانوں کے الفاظ مثلاً فارسی لفظ ''ژند'' عربی الفاظ صنائع، ذلت، طعام، انگریزی الفاظ ڈویژن، پلییئر اور ہندی الفاظ شکنتلا، کرشن چند وغیرہ بڑی صحت کے ساتھ ادا ہو سکتے ہیں۔

☆ اُردو رسم الخط میں دس ترکیبی آوازیں ہیں جن کو ظاہر کرنے کے لیے علیحدہ حروف نہیں بلکہ نشانات ہیں جو حروف کے اوپر نیچے لگا دیے جاتے ہیں۔ دوسری زبانوں میں ان کے لیے باقاعدہ علیحدہ حروف ہوتے ہیں۔

☆ اُردو رسم الخط میں الفاظ کے اندر حروف پورے اور مکمل صورت میں نہیں لکھے جاتے بلکہ حرف کا ابتدائی مختصر حصہ یا نشان بنایا جاتا ہے۔ اس طرح الفاظ مختصر ہو جاتے ہیں جس سے وقت اور جگہ کی بچت ہوتی ہے۔

☆ اُردو زبان میں تین اعراب اور تین حروفِ علت سے سارا ترکیبی کام بڑی خوش اسلوبی سے چلتا ہے۔ عربی سے حاصل کردہ تنوین اور تشدید سے اُردو رسم الخط میں حد درجہ اختصار اور جامعیت پیدا ہوگئی ہے۔ ابتداء میں اعراب کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جب پڑھنا سکھایا جا رہا ہو۔ رفتہ رفتہ اعراب کے بغیر عبارت پڑھنے میں کسی قسم کی کوئی دِقت نہیں ہوتی، دوسری زبانوں میں اعراب کے بغیر کوئی تحریر پڑھنا ایک ماہر آدمی کے لیے بھی دشوار ترین عمل ہے۔

☆ اُردو رسم الخط میں حروفِ علت، حرفوں سے ظاہر نہیں کیے جاتے بلکہ اعراب (حرکات وسکنات کے نشانات) سے ظاہر کیے جاتے ہیں جب کہ دوسری زبانوں میں حروفِ علت کو مستقل حروف کی حیثیت حاصل ہے۔

☆ ناگری اور رومن رسم الخط میں قریب المخرج آوازوں کی ادائیگی کے سلسلے میں بڑا التباس پایا جاتا ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی مناسب حروف نہیں ہیں۔ اس کے برعکس اُردو نے قریب المخرج آوازوں کا امتیاز مختلف حروف سے قائم رکھا ہوا ہے۔ مثلاً الف اور ع۔ ث، س اور ص وغیرہ۔

☆ اگرچہ اُردو میں الفاظ جدا جدا لکھے جاتے ہیں لیکن اگر ان کو قریب قریب ملا کر بھی لکھا جائے تو بھی پڑھنے میں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آتی، بخلاف دوسری زبانوں کے کہ وہاں مطلب ہی فوت ہو جاتا ہے۔ ناگری اور رومن رسم الخط میں لفظوں کو ملا کر لکھنے سے تحریر کا حلیہ ہی بگڑ جاتا ہے اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا لکھا ہوا ہے؟

☆ اُردو رسم الخط دائیں سے بائیں جانب لکھا جاتا ہے اور یہ فطرت کے عین مطابق ہے کیوں کہ دنیا میں لوگ زیادہ تر دائیں ہاتھ سے ہی کام سرانجام دیتے ہیں۔ دائیں ہاتھ کے لیے دائیں طرف سے آغاز ہی فطری موزونیت ہے۔

☆ اُردو رسم الخط چونکہ دائیں سے بائیں جانب لکھا جاتا ہے اس لیے عربی اور فارسی سیکھنے میں مدد دیتا ہے۔

☆ اُردو رسم الخط کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ہماری ضرورتوں کا ساتھ دینے کے علاوہ پاکستان، ایران، افغانستان، شام، اُردن، عراق، مصر اور سعودی عرب وغیرہ جیسے بیسیوں ایشیائی ملکوں سے ہمارے تہذیبی روابط کی بنیاد مضبوط کرنے کا کام دیتا ہے۔

☆ اُردو رسم الخط ایک طرح کی مختصر نویسی یعنی شارٹ ہینڈ ہے جس کو تھوڑی سی مشق سے ہر شخص پڑھ لکھ سکتا ہے۔

☆ یہ ناگری اور رومن کی نسبت تیزی سے لکھا جا سکتا ہے۔

☆ اُردو رسم الخط ناگری اور رومن کی نسبت کم جگہ گھیرتا ہے۔

☆ اُردو رسم الخط ناگری کی نسبت آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔

☆ اُردو رسم الخط دیکھنے میں بھی نہایت خوب صورت اور دیدہ زیب ہے۔

آواز و حروف کی مطابقت، تعلیم کی آسانیوں، طباعت کی سہولت، لاگت، محنت اور وقت کے اعتبار سے رسوم الخط کے تقابلی جائزے کے بعد یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ناگری اور رومن رسم الخط رائج کرنے کا مسئلہ خالصتاً سیاسی نوعیت کا ہے ورنہ فنی اعتبار سے ناگری اور رومن رسم الخط اس قدر کمزور، پیچیدہ اور ناقص ہیں کہ انھیں اُردو رسم الخط کا متبادل قرار دینا قطعاً درست نہیں۔ اُردو رسم الخط کی خوبیوں اور دیوناگری و رومن رسم الخط کے نقائص جانتے ہوئے بھی ناگری یا رومن حروف کی حمایت کرنا عقل کو گالی دینے کے مترادف ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ عبدالقدوس ہاشمی، سیّد، ''رومن رسم الخط اور پاکستان''، طبع اوّل، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان، ۱۹۶۳ء، ص۵

۲۔ ایضاً، ص۵تا۸

۳۔ طارق عزیز، ڈاکٹر، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، طبع اوّل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص۳۱

۴۔ عطش درّانی، ''اُردو اور رومن رسم الخط کا مسئلہ''، مشمولہ ''منتخبات اُردو نامہ''، مرتبہ: ڈاکٹر معین الدین عقیل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص۲۵۷۔۲۵۶

۵۔ ہارون خان شروانی، پروفیسر، ''اُردو رسمِ خط اور طباعت''، اسلامک پبلی کیشنز، حیدرآباد دکن، ۱۹۵۷ء، ص۴۷

۶۔ بشیر احمد، پروفیسر، سہ ماہی ''العلم''، اپریل تا جون ۱۹۶۸ء، ص۳۴

۷۔ طارق عزیز، ڈاکٹر، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص۶۷

۸۔ یوسف حسین خان، (مترجم) ''مقالاتِ گارساں دتاسی''، بحوالہ ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ڈاکٹر طارق عزیز، انجمن ترقی اُردو پاکستان، ص۹۰

۹۔ رشید احمد سالم، ''اُردو ناگری بحث''، مشمولہ ''معارف''، علی گڑھ، اپریل ۱۸۹۹ء، ص۳۵

۱۰۔ طارق عزیز، ڈاکٹر، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص۹۴

۱۱۔ ہاشمی فرید آبادی، ''پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اُردو''، انجمن ترقی اُردو، کراچی، ۱۹۵۲ء، ص۱۳

۱۲۔ ادارہ، ''رومن رسم الخط''، مشمولہ ''زمانہ''، کان پور، جولائی ۱۹۲۵ء، ص ٦
۱۳۔ ایضاً، ص ۷
۱۴۔ بال مکند گپتا، ''ہندوستان میں ایک رسم الخط''، مشمولہ ''زمانہ'' کان پور، اپریل/مئی ۱۹۰۷ء، ص ۲۵
۱۵۔ ادارہ، ''رومن رسم الخط''، مشمولہ ''زمانہ''، کان پور، جولائی ۱۹۲۵ء، ص ۲٦
۱٦۔ ایضاً، ص ۲۵
۱۷۔ ایضاً، ص ٦
۱۸۔ ادارہ، ''گاندھی جی کا اظہارِ رسم الخط''، مشمولہ ''زمانہ''، کان پور، اگست ۱۹۲۰ء، ص ۳
۱۹۔ حسن نظامی، خواجہ، ''اُردو ہندی اور رسالہ زمانہ''، مشمولہ ''ہندوستانی زبان کا مسئلہ''، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۵ء، ص ۵۱
۲۰۔ عبدالحق، مولوی، ''رسم الخط''، مشمولہ ''ہندوستانی زبان کا مسئلہ'' خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۵ء، ص ۸۹
۲۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ''ہندی اُردو تنازع''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۷ء، ص ۲۷۵ تا ۲۷۹
۲۲۔ ادارہ، ''مشترک رسم الخط کا اظہار''، مشمولہ ''ہندوستانی زبان کا مسئلہ'' خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۵ء، ص ۱۱٦
۲۳۔ بشیر ناتھ، ''ہندی اُردو کا قضیہ''، مشمولہ ''اُردو''، اپریل ۱۹۳۷ء، ص ۴۱
۲۴۔ طارق عزیز، ڈاکٹر، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ٦۷
۲۵۔ سبھاش چندر بوس، ''رومن رسم الخط کی ضرورت''، مشمولہ ''اُردو''، اپریل ۱۹۳۹ء، ص ۳۵۳ تا ۳۵۵
۲٦۔ طارق عزیز، ڈاکٹر ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ٦۸
۲۷۔ عبدالقدوس ہاشمی، ''ہمارا رسمِ خط''، مشمولہ ''اُردو''، جنوری ۱۹۳۹ء، ص ۵۴ تا ٦۳
۲۸۔ طارق عزیز، ڈاکٹر ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ٦۸
۲۹۔ حیات اللہ انصاری، رومن رسم الخط ''اُردو'' جنوری ۱۹۴۴ء ص ۳۵
۳۰۔ مسعود حسن رضوی، پروفیسر، ''اُردو زبان اور اُس کا رسمِ خط''، نظامی پریس وکٹوریہ سٹریٹ لکھنؤ، ۱۹٦۱ء، ص ٦۸ تا ۷۱
31. Professor H.Kh Sherwani "SOME POINTS" for and against the adoption of Hindi, Urdu and Latin scripts for the National Language of India Hyderabad Daccan 1949, P:79
۳۲۔ شان الحق حقی، ''رسم الخط کی اُلجھن''، مشمولہ ''نیا دور''، اپریل ۱۹۵۰ء، ص ۳۱۔۳۰
۳۳۔ محمد ایوب خان، ''جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی''، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۸ر فروری ۱۹٦۷ء، ص ۱۴۰
۳۴۔ محمد دین تاثیر، ڈاکٹر، ''اُردو رسمِ خط کی بحث''، مشمولہ ''نثر تاثیر''، مرتبہ: فیض احمد فیض، اُردو اکادمی، بہاول پور، ۱۹٦۳ء،

ص۲۵ تا ۳۲

۳۵۔ اداریہ،''ہماری زبان''، علی گڑھ، یکم ستمبر ۱۹۶۱ء، ص۳
۳۶۔ وقار عظیم، سیّد، ''ہمارا رسم الخط''، مشمولہ ''ماہِ نو''، کراچی، اکتوبر ۱۹۱۶ء، ص۱۱۰
۳۷۔ محمد طاہر فاروقی، ''ہمارا رسم الخط''، مشمولہ ''ماہِ نو''، کراچی، شمارہ خصوصی ۱۹۶۲ء، ص۴۷، ۴۸
۳۸۔ قدرت نقوی، سیّد، ''اُردو رسم الخط''، مشمولہ ''ماہِ نو''، کراچی، مئی ۱۹۶۲ء، ص۱۹ تا ۲۵
۳۹۔ غلام رسول، ''اُردو کا اصلاحی رسم الخط جامع ہے''، مشمولہ ''ہماری زبان''، علی گڑھ، ۱۵/فروری ۱۹۶۸ء، ص۳
۴۰۔ اداریہ ''ہماری زبان''، علی گڑھ، ۱۵/جنوری ۱۹۶۹ء/ص۲۔۱
۴۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ''ہندی اُردو تنازع''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۷ء، ص۳۶۲ تا ۳۶۳
۴۲۔ ہارون خان شروانی، پروفیسر ''اُردو رسمِ خط اور طباعت''، ص۳۷۔۲۷
۴۳۔ طارق عزیز، ڈاکٹر، ''اُردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص۳۴
۴۴۔ ہارون خاں شروانی، پروفیسر، ''اُردو الفاظ کا رومن املا''، مشمولہ ''اُردو نامہ''، شمارہ نمبر ۱۱ جنوری تا مارچ ۱۹۶۳ء، ص۶۳